تصوف کی حقیقت اور اس پر ہونے والے چند اعتراضات کا علمی جائزہ

Reality of Mysticism (Tasawwuf) and conversazione on its objections.

*ڈاکٹر شفقت اللہ خان

** ڈاکٹر اسماء انصر

*** سید نعیم بادشاہ

ABSTRACT

Mysticism is the practice of religious ecstasies, together with whatever ideologies, ethics, rights, legends, and magic may be related to them.it may also refer to the attainment of insight in ultimate or hidden truth, and to human transformation supported by various practices and experiences.

Sufism also known as Tasawwuf variously defined as Islamic mysticism. The inward dimension of Islam is mysticism in Islam characterized by particular values, ritual practices, doctrines and institutions which began very early in Islamic history and represents "the main manifestation and the most important and central crystallization of mystical practice in Islam. Practitioners of Sufism have been referred to as "Sufis".

Sufis have been characterized by their asceticism, especially by their attachment to dhikr, the practice of remembrance of god, often performed after prayers.

This article describes of the reality and fact of mysticism, its verbal and literal meanings, and its historical background and also describes its regional division and causes of Tasawwuf.it also analyses of the objections and its answers of which occurred on it.

Key words: *Mysticism. Ethics, ideologies, Sufism,etc*

تعارف: انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک روح اور دوسرا جسم۔ جسم کی پرورش اور تربیت مختلف غذاوؤں سے ہوتی ہے جبکہ روح کی تربیت اور پرورش مختلف روحانی غذاوؤں سے ہوتی ہے۔ پھر روح کی تربیت بھی دو طریقوں سے ہوتی ہے؛ ایک یہ کہ کچھ امور جن کا کرنا ضروری ہوتا ہے یعنی جن کو انجام دینا نفس کی اصلاح کے لیے ضروری ہوتا ہے اور کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جن سے بچنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک کام ہو دوسرا نہ ہو پھر بھی روحانی تربیت نہیں ہو سکتی جیسے اطباء جب علاج تجویز کرتے ہیں تو ان میں سے دوائی بھی دیتے ہیں جن کا کھانا ضروری ہوتا ہے اور کچھ چیزوں سے منع کرتے ہیں جن سے بچنا ضروری ہوتا ہے۔ جن کو پرہیز کہا جاتا ہے یعنی جسمانی اصلاح کے لیے دوائی اور پرہیز دونوں کا ہونا ضروری ہے اسی طرح روحانی اصلاح کے لیے بھی کچھ اعمال کا کرنا ضروری ہوتا ہے اور کچھ چیزوں سے بچنا ضروری ہوتا ہے۔ نفس کی اصلاح کے لیے مختلف اکابر نے مختلف طریقے وضع کیے تھے ان طریقوں میں سے ایک انتہائی مؤثر اور معروف طریقہ "اصلاح بذریعہ ء تصوف" ہے۔ لیکن تصوف جو یقیناً اصلاح کا ذریعہ تھا بعد میں اس کے اندر مختلف قسم کی خرافات شامل کی

---

*عربک ٹیچر، جی ایم ایس گمبر، بنوں، خیبر پختونخواہ۔

**یونیورسٹی آف ہری پور پاکستان۔

***زرعی یونیورسٹی پشاور

نفس کی اصلاح کے لیے مختلف اکابر نے مختلف طریقے وضع کیے تھے ان طریقوں میں سے ایک انتہائی مؤثر اور معروف طریقہ "اصلاح بذریعہ تصوف" ہے۔ لیکن تصوف جو یقیناً اصلاح کا ذریعہ تھا بعد میں اس کے اندر مختلف قسم کی خرافات شامل کی گئیں، جس کی وجہ سے تصوف مختلف اعتراضات کا نشانہ بنا۔ اس لیے بندہ نے یہ ضروری سمجھا کہ تصوف کی حقیقت اور اس پر ہونے والے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا جائے تاکہ لوگ صحیح حقیقت کا ادراک کر سکیں۔

تصوف کی لغوی و اصطلاحی تعریف۔

صوفیا کے ہاں مشہور اصطلاح 'التصوف'، عرب اس اصطلاح سے ناواقف ہیں، اصلاً کلمہ تصوف جو عربی زبان کے اَوزان میں سے تفعُّل کے وزن پر ہے، مستعمل نہیں۔ عربوں نے صوف کے بارے میں مادہ (ص و ف) کو مد نظر رکھتے ہوئے استعمال کیا ہے جس سے وہ بھیڑ کے بال اور پشمینہ لیتے ہیں اور بھیڑ کا وہ بچہ جس کے بال گھنے ہوں اس کو صوف کی صفت سے ذکر کرتے ہیں۔ [1]

صوفی کی وجہ تسمیہ:

لفظ 'صوفی' کا اشتقاق و مصدر کیا ہے؟ اس میں مختلف اَقوال ہیں:

1۔ صوفی کی نسبت مسجدِ نبویؐ میں اہل صفہ کی طرف ہے۔ ماہرین لغت کا اس پر اعتراض ہے کہ اگر صوفی کی نسبت اہل صفہ کی طرف ہوتی تو صوفی کی بجائے صُفّیِ ہونا چاہیے تھا۔

2۔ صوفی کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سامنے پہلی صف کی طرف ہے۔ اس پر بھی یہی اعتراض کیا گیا کہ لغت کے اعتبار سے صَفّیِ ہونا چاہیے تھا نہ کہ صوفی۔

3۔ ایک قول یہ ہے کہ صوفی صفوۃ من الخلق کی طرف منسوب ہے جو لغوی اعتبار سے غلط ہے، کیونکہ صفوۃ کی طرف نسبت صَفَوِیّ آتی ہے۔

4۔ صوفی، صوفہ بن بشر بن طابخہ قبیلہ عرب کی طرف منسوب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> ''اگرچہ یہ نسبت لغوی، لفظی اعتبار سے درست ہے، لیکن سنداً اور تاریخی اعتبار سے ضعیف ہے، کیونکہ یہ زاہدوں، عابدوں کے ہاں غیر معروف ہے۔ اگر نساک عابدوں کی نسبت انہیں لوگوں کی طرف ہوتی تو پھر اس نسبت کے زیادہ حق دار صحابہؓ، تابعینؒ و تبع تابعین ہوتے اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو صوفی کہا جاتا ہے وہ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ ان کی نسبت ایسے جاہلی قبیلہ کی طرف ہو جس کا اسلام میں کوئی وجود نہیں۔''

لہٰذا اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی نسبت غلط ہے۔

5۔ ایک رائے یہ ہے کہ صوفی، الصفۃ (اچھی صفات سے متصف ہونا) سے مشتق ہے جو حسبِ سابق صحیح نہیں ہے، کیونکہ الصفہ کی نسبت صُفّیِ آتی ہے نا کہ صوفی۔ [2]

6۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صوفی، صفا سے ماخوذ ہے جس کے معنی قلب کی صفائی اور اصلاح ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ نسبت بھی غلط ہے، کیونکہ صفا کی طرف نسبت صَفَوِیّ آتی ہے۔ [3]

7۔ علامہ لطفی جمعہ کی تحقیق کے مطابق صوفی کا لفظ ثیو صوفیا سے مشتق ہے جو ایک یونانی کلمہ ہے جس کے معنی حکمت الٰہی کے ہیں۔ [4]

8۔ صوفی صوف (پشمینہ) کی طرف نسبت ہے جس کے معنی پشم پہننے والا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسی نسبت کو درست اور راجح کہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لغوی اشتقاق کے تناظر سے دیکھا جائے تو یہ نسبت درست معلوم ہوتی ہے۔[5]

تصوف کا اصطلاحی مفہوم:

جس طرح آپ نے مذکورہ اَقوال سے صوفی کے اشتقاق میں اختلاف پایا ہے اسی طرح تصوف کی اصطلاحی تعریف بھی تفصیل طلب ہے۔

تصوف کی اصطلاحی تعریف کے حوالے سے اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو اس میں متعدد اَقوال ہیں جو باہم متعارض، متباین اور متغایر ہیں۔ ذیل میں ایسے اَقوال ان پر اِجمالی تبصرے کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تصوف کا اصل مطلب اور مفہوم کیا ہے۔

☆ جنید فرماتے ہیں:

ما أخذنا التصوف عن القال والقيل ولكن عن الجوع وترک الدنيا وقطع المألوف والمستحسنات لأن التصوف هوصفاء المعاملة مع الله واصله العزوف عن الدنيا۔

"ہم نے تصوف قیل و قال سے حاصل نہیں کیا بلکہ ہم نے تصوف بھوک، ترک دنیا، مرغوب اور پسندیدہ اشیاء سے لاتعلقی سے حاصل کیا ہے، کیونکہ تصوف اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات کی پاکیزگی کا نام ہے، جس کی بنیاد دنیا سے علیحدگی پر ہے۔"[6]

جب کہ اِرشادِ باری ہے:

{وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا}

"اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولیے۔"[7]

{رَبَّنَا اٰتِنَا فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَة وَّفِيْ الآخِرَة حَسَنَة وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ}[8]

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔"

اور رسول اللہ ﷺ صبح اور شام کے اذکار میں درج ذیل دعا کا اہتمام فرمایا کرتے تھے:

" اَللّٰهمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ "[9]

"اے اللہ! میں کفر، فقر سے اور دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

زہد کا مفہوم:

'زہد' کے مفہوم کو مزید وضاحت سے سمجھنے کے لیے حضرت علیؓ کا قول ملاحظہ فرمائیں:

امیر المؤمنین حضرت علیؓ اِرشاد فرماتے ہیں:

"اگر کوئی شخص تمام زمینی سامان، متاع واَسباب اکٹھے کرے اور اس کی نیت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو وہ زاہد ہے اور زمین میں تمام اَشیاء کو ترک کر دیتا ہے جب کہ اس میں اللہ کی رضا مقصود نہیں تو وہ زاہد نہیں اور نہ ہی اسے دنیا کے مال واَسباب چھوڑنے پر عابد کہا جائے گا۔"[10]

اس کے علاوہ تصوف اور صوفی کی تعریفات کے حوالے سے درج ذیل اَقوال یہ ہیں:

☆ابو الحسن نوری کہتے ہیں:

"ليس التصوف رسوما ولا علوما ولكنه اخلاق"

"تصوف رسوم اور علوم نہیں بلکہ وہ صرف اخلاق ہے۔"[11]

☆مرتعش بھی یہی فرماتے ہیں:

التصوف حسن الخلق ...

"تصوف حسن خلق ہے۔"

☆علی بن بندار الصیرفی تصوف کی تعریف کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"التصوف اسقاط ردية للحق ظاهرا وباطنا" [12]

"تصوف یہ ہے کہ صوفی اپنے آپ کو ظاہر اور باطن میں نہ دیکھے، بلکہ صرف مشاہدۂ حق ہو۔"

☆ابو بکر شبلی اس سے ایک قدم اور آگے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"التصوف شرك لأنه صيانة القلب عن رؤية الغير ولا غير"[13]

"تصوف شرک ہے، کیونکہ وہ دل کو غیر کے دیکھنے سے محفوظ رکھتا ہے، حالانکہ غیر کا وجود ہی نہیں۔"

تصوف اور صوفیا کے اِصطلاحی نام:

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ تصوف اپنے اذواق، مجاہدات، حقائق اور مشاہدات کے اعتبار سے ایک مستقل فن کی حیثیت سے متعارف نہیں تھا۔ اس لیے اس کا کوئی نام بھی متعین نہیں تھا، کبھی اسے علم تصوف سے تعبیر کیا جاتا، کبھی علم باطن کے نام سے اور کبھی کسی اور نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔[14]

اسی طرح صوفیا کو بھی کئی ناموں سے ذکر کیا جاتا ہے۔ ملکوں، شہروں سے نقل مکانی کر کے دیارِ غیر میں رہنے کی وجہ سے غرباء اور کثرت سفر کی وجہ سے سیّاحین بھی کہا جاتا تھا۔ اَہل شام زیادہ تر بھوکا رہنے کی وجہ سے جوعیۃ کے نام سے ذکر کرتے تھے۔[15]

تحریک تصوف کا آغاز اور تاریخی پس منظر:

دوسری صدی ہجری میں جب زہاد، صوف (پشمینہ) کا لباس بکثرت استعمال کرنے لگے تو 'صوفی' کی اصطلاح عام ہوئی اور پشمینہ لباس پہننے کی وجہ سے شہرت اختیار کر گئی۔ لہٰذا تحریک تصوف صوف کی وجہ سے مشہور ہوئی۔

سلوک تصوف کا عملی طور پر آغاز بصرہ میں ہوا جس شخص نے سب سے پہلے صوفیا کے لیے مجلس کا انعقاد کیا وہ حسن بصریؒ کے شاگردوں میں سے عبد الواحد بن زید ہیں۔[16]

ابو نصر سراج لکھتے ہیں کہ

"تصوف کی ابتداء قبل از اسلام دور جاہلیت میں ہوئی۔"[17]

اور عبد الواحد وہ ہیں کہ جن کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر عبادت کرنے کا جذبہ غالب آیا اور یہ ذوق اس حد تک بڑھا کہ علوم حدیث میں اتقان پیدا کرنے سے غافل ہو گئے وہ اپنی گفتگو میں اکثر منکر روایات بیان کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے انہیں 'متروک الحدیث' کہا ہے۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

"بڑے زہاد اور صاحب کمال لوگوں میں سے تھے جن پر 'قدری فرقہ' سے تعلق رکھنے کا الزام ہے۔"[18]

امام قشیریؒ کی تحقیق کی رو سے لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جس لقب سے اس زمانہ کے اَفاضل یاد کیے جاتے تھے وہ صحابہؓ تھا۔ کسی دوسرے لقب کی انہیں ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ صحابیت سے بہتر کوئی فضیلت نہ تھی۔ جن بزرگوں نے صحابہؓ کی صحبت اختیار کی وہ اپنے زمانہ میں تابعین کہلائے اور تابعین کے فیض یافتہ حضرات اپنے زمانے میں اتباع تابعین کے ممتاز لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اس کے بعد زمانے کا رنگ بدلہ اور لوگوں کے اَحوال و مراتب میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا۔ جن خوش بختوں کی توجہ دینی اُمور کی طرف زیادہ تھی ان کو زہاد اور عباد کے ناموں سے یاد کیا گیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد بدعات کا ظہور ہونے لگے اور ہر فریق نے اپنے زہد کا دعوی کرتے نظر آنے لگے۔ زمانہ کا یہ رنگ دیکھ کر خواصِ اہل سنت نے جو اپنے قلوب کو حق تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے تھے اور جو اپنے نفوس کو خشیت الٰہی سے مغلوب دیکھتے تھے، ابنائے زمانہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور انہی کو 'صوفیہ' کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔[19]

امام ابن جوزیؒ تحریک تصوف کی ابتدا کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"طریقہ (تحریک) تصوف کی ابتدا اکمل زہد وعبادت سے ہوئی، پھر آہستہ آہستہ صوفیوں نے سماع اور رقص وسرود کی مجلسوں کے انعقاد کی رخصت نکالی لہٰذا عامۃ الناس میں سے آخرت کے طلب گاروں نے جب اس میں ریاضت وعبادت دیکھی تو وہ اس تحریک کی طرف لپکے اور دنیا کے طلب گاروں نے جب اس میں سماع، رقص اور لعب وراحت دیکھی تو انہوں نے بڑے زور وشور سے اس تحریک میں حصہ لینا شروع کر دیا۔"[20]

پشمینہ پہننے کے بارے میں ابن سیرینؒ اور ابن تیمیہؒ کی تصریحات:

صوفیاء کے ہاں ابن سیرینؒ کو صف اوّل کا زاہد تسلیم کیا گیا ہے ان سے لبس صوف کے حوالے سے استفسار کیا گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صوف پہنتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

"ہمارے لیے آنجناب ﷺ کی سنت دوسرے طریقوں کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہونی چاہیے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لبس صوف کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

"اس کو عبادت بنانا اور اللہ کی طرف تقرب کا راستہ اختیار کرنا بدعت ہے۔ البتہ بطور حاجت یا عام استفادہ کے پیش نظر کوئی حرج نہیں۔"[21]

تحریک تصوف کے ظہور کی وجوہات

اس تحریک کے جنم لینے کی سب سے بڑی وجہ اسلامی معاشرے کا دنیاوی لذات میں غرق ہونے کے رد عمل نے پیدا کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے چند چیزوں کو مباحات جان کر سلوک کا راستہ اختیار کیا اور اپنی تائید کے لیے بعض شرعی نصوص کو بطورِ دلیل بھی پیش کرنے لگے۔

تصوف کی ابتدا زہد و تقویٰ پر تھی۔ ابتدا میں بدعات، رسومات اور فاسد عقائد کا کوئی وجود نہیں ملتا، پھر چوتھی صدی ہجری کا دور مروجہ تصوف کی داغ بیل کا دور تھا جس میں حلاج، جنید اور ابن محمد صوفیا کا لباس پہن کر تصوف میں داخل ہو گئے۔ تصوف کے آغاز کی ایک وجہ خارجی عوامل تھے جو کہ دوسری قوموں کی تہذیب اور فلسفہ تھا۔ مثلاً یونانی فلسفہ، ہندی تہذیب اور یہود و نصاری کی محرف تعلیمات، ان فلاسفروں کی فکر کے ذریعے سے مروجہ تصوف وجود کا سبب بنا۔

اس تحریک کے پیچھے استعماری ہاتھ تھے جو مسلمانوں سے جہادی روح کو نکال دینا چاہتے تھے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کیا جاسکے اور اسلامی تعلیمات عام زندگی سے کٹ جائیں۔ بس یہ دین عالم لاہوت سے خاص اور سیکولرازم سے متصف ہو جائے، جو زندگی کے مسائل کو حل کر سکے نہ معاشرے کی راہنمائی۔ جب ایسی صورت پیدا ہو جائے گی تو مسلمانوں پر خود بخود قیامت ٹوٹ پڑے گی، لیکن! دشمنان اسلام کا یہ خواب ہر گز پورا نہ ہو گا، کیونکہ دین اسلام میں اللہ رب العزت نے ایک ایسی تحریک رکھی ہے جو خود بخود اپنا دفاع کرنا جانتی ہے۔[22]

{هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّه وَلَوْكَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ}[23]

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے، خواہ مشرکوں کو براہی لگے۔"

طبقات صوفیاء:

مؤرخین تصوف کے نزدیک تصوف و صوفیاء کے چھ طبقات ہیں:

1۔ پہلا طبقہ:

تصوف کی ابتداء ۱۷۳ھ میں ہوئی اور یہ دور ۲۳۲ھ تک جاری رہا۔ اس طبقے میں جن بزرگوں کو شمار کیا جاتا ہے ان میں حضرت اویس قرنیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ اور حضرت ابراہیم بن ادھمؒ وغیرہم شامل ہیں۔ ان حضرات میں خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ تھا توبہ واستغفار پر زور دیتے اور کبھی اپنے طرزِ فکر کو اجتماعی شکل دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ انفرادی طور پر ریاضت وعبادت میں مشغول رہے۔ اپنے گرد مریدوں کا نہ کوئی حلقہ پیدا کیا نہ کوئی نئی اصطلاح یا نیا طریقہ عبادت ایجاد کیا۔ ان کی ساری زندگی کتاب وسنت سے عبارت ہے۔

2۔ دوسرا طبقہ:

جو تاریخ اِسلامی کے اس دور سے تعلق رکھتا ہے جس دور میں یونانی فلسفہ اور علوم عقلیہ اسلام میں در آئے اور معتزلہ کی تحریک نے اس قدر زور پکڑا جس سے خلیفہ مامون الرشید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ خلق قرآن کا فتنہ بھی اسی دور میں نمودار ہوا، نیز ذات الٰہی اور اس کی صفات، دوزخ، جنت، معجزات، معراج، غرض ہر مسئلہ پر عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا۔ ان حالات میں صوفیا کا پیدا ہونے والا طبقہ عقلیت سے قطعی بیزار تھا جن میں بایزید بسطامی، ذوالنون مصری اور جنید بغدادی سر فہرست ہیں۔ انہوں نے عقلیت

کے خلاف آواز اٹھائی اور عشق پر زور دیا۔ چنانچہ اس دور کے صوفیا نے خشیت الٰہی کی بجائے عشق الٰہی کی تلقین کی۔ سری سقطی نے توحید کا وہ نعرہ پیش کیا جس نے بعد میں وحدۃ الوجود کی شکل اختیار کر لی۔[24]

3۔ تیسرا طبقہ:

چوتھی صدی ہجری میں تحریک تصوف کا تیسرا طبقہ پیدا ہوا جنھوں نے فقہی گھتیوں میں اُلجھنے کی بجائے فقہ باطن کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی پر زور دیا۔ اس دور کے صوفیا میں ابو نصر سراج، ابو طالب مکی، ابو عبد الرحمن السلمی اور ابو سعید ابن عربی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تصوف کی دنیا میں اس دور کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں تصوف کی اصطلاحات وضع ہوئیں۔ نئی نئی کتابیں لکھی جانے لگیں۔ جیسے ابو نصر سراج کی کتاب اللمع، ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور ابو عبد الرحمن السلمی کی کتاب السنن الصوفیۃ وغیرہ ہیں۔ اس دور میں صوفیا کے حلقے اور سلسلے بننا شروع ہوئے۔ اگر دنیا اسلام میں پھیلے ہوئے تصوف کے سلسلوں کی تعداد کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد تقریباً ایک سو کے لگ بھگ ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

☆ تلبیس ابلیس از امام جوزیؒ

☆ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

☆ التفسیر والمفسرون از محمد حسین ذہبی

☆ الصوفیۃ معتقدا ومسلکا از ڈاکٹر صابر تعیمہ

☆ طبقات الصوفیہ وغیرہ

لہٰذا برصغیر پاک وہند میں موجود تیسرے طبقے کے سلسلوں کو علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں بارہ کی تعداد میں تقسیم کیا ہے اور ان کی تصریح کے مطابق دو گروہ مردود اور دس مقبول ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

1۔ حلولی اور حلاجی، یہ دو گروہ مردود شمار کیے جاتے ہیں۔

2۔ محاسبیہ: جس کی نسبت حارث بن اسد محاسبی کی طرف ہے۔ اس گروہ کے خیال کے مطابق 'رضا' مقام نہیں بلکہ 'حال' ہے جس پر صوفیا میں شدید اختلاف رہا۔ اہل خراسان نے ان کی تائید کی اور اہل عراق نے مخالفت کی۔

3۔ حکیمیہ: یہ گروہ ابو عبید اللہ بن علی الحکیم کی جانب منسوب ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ولایت کا تصور نبوت کی طرح عہدہ بنا کر پیش کیا جسے بعد میں سب گروہوں نے قبول کر لیا۔ حکیم ترمذی کا قول ہے کہ:

"تمام دنیا اولیا میں تقسیم کر دی گئی ہے اور ہر علاقے کا انتظام وانصرام ایک ولی کے تحت ہوتا ہے۔"

4۔ تستریہ: یہ گروہ سہل بن عبد اللہ تستری کی جانب منسوب ہے اس گروہ نے تزکیہ نفس کے اُصول اپنی عقل ودانش سے ترتیب دیئے۔ یہ لوگ سزائے نفسی کے قائل تھے۔

5۔ نوریہ: اس گروہ کی نسبت ابو الحسن بن نوری کی جانب ہے۔

6۔ طیفوریہ: جس کی نسبت بایزید بسطامی کی طرف ہے۔ ان پر شوق ومستی کا بڑا اغلبہ تھا جو سکر (نشے کی حالت) کو صحو (ہوش وحواس کی حالت) پر ترجیح دیتے ہیں۔

7۔ خرازیہ: اس گروہ کی نسبت ابوسعید خرازی سے تھی فنا کا تصور سب سے پہلے اسی گروہ نے پیش کیا۔

8۔ سیاریہ: یہ گروہ ابوالعباس سیاری سے منسوب ہے اس گروہ نے جمع تفریق کا صوفیانہ نظریہ پیش کیا۔

9۔ خفیفیہ: اس گروہ کی نسبت ابوعبداللہ بن خفیف کی جانب تھی جس نے حضور اور غیبت کا صوفیانہ نظریہ پیش کیا۔

1۔ قصاریہ اور ملامتیہ: یہ دونوں گروہ حمدون قصار سے منسوب تھے ان کے نزدیک مجمع عام میں قابل اعتراض کام کرکے اپنے نفس کو ذلیل کرنا تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہے۔

اس دور میں تصوف نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی۔ سلسلہ تصوف پر بہت کچھ لکھا جاچکا تھا جو چھوٹے چھوٹے رسالوں جن میں یا تو متقدمین مشائخ کے حالات درج تھے یا کسی خاص موضوع پر بحث کی گئی تھی۔ اس دور میں تصوف کی بہت سی اصطلاحات وضع ہوچکی تھیں، لیکن ان کا مفہوم ابھی تک متعین نہ تھا۔

اور یہ وہ دور تھا جس میں تصوف کے سلسلے ضرور وجود میں آگئے تھے مگر سلسلوں کا باقاعدہ ظہور نہیں ہوا تھا۔

4۔ چوتھا طبقہ:

پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں تصوف کے خیالات عوام میں بڑی تیزی سے پھیلنے شروع ہوئے جس میں ابوالخیر ابوسعید کی کتاب رباعیات، عبداللہ ہروی کی مناجات اور علی ہجویری کی کشف المحجوب کا اہم کردار ہے جس سے تصوف کے عوامی تحریک بننے میں بڑی مدد ملی۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ ابونعیم اصفہانیؒ کی حلیۃ الأولیاء اور ابوالقاسم قشیری کا رسالہ قشیریہ بہت مقبول ہوئے۔ اس دور میں تصوف کی بیشتر اصطلاحات وضع کی جاچکی تھیں۔

رسالہ قشیریہ میں ہمیں تصوف کی مندرجہ ذیل اصطلاحات ملتی ہیں:

شریعت، طریقت، حقیقت، کشف ومکاشفہ، صحو، سکر، وقت، مقام، حال، قبض وبسط، فنا وبقا، مشاہدہ ومعائنہ، قرب وبعد، نفس، خواطر، ہیبت وانس، تواجد، وجود، جمع وفرق، غیبت وحضور، ذوق وشرب، سر وتجلی، مخاطرہ، لوائح، طوامع، ہجوم، تلوین وتمکین، شاہد، نفس، روح، سر، علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین وغیرہ۔

5۔ پانچواں طبقہ:

یہ طبقہ چھٹی صدی ہجری میں پیدا ہوا اس کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں تصوف کا فلسفہ پورے طور پر ترتیب دے دیا گیا اگرچہ اس کو عروج ساتویں صدی ہجری میں حاصل ہوا۔

اس دور کے مشہور صوفیا یہ تھے:

1۔ ابوحامد غزالی: ان کی کتابوں میں احیاء العلوم سب سے زیادہ مشہور ہے۔

2۔ محی الدین عبدالقادر جیلانی: آپ کی کتابوں میں 'غنیۃ الطالبین' اور 'فتوح الغیب' کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔

3۔ محی الدین ابن عربی: ان کی کتابوں میں 'فصوص الحکم' اور 'فتوحات مکیہ' نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔

4۔ شہاب الدین عمر سہروردی: آپ کی کتاب 'عوارف المعارف' تصوف کا دستور العمل سمجھی جاتی ہے۔

5۔ ابو طالب مکی اور ابو القاسم قشیری وغیرہ نے جو کچھ لکھا ابو حامد غزالی نے سب کو جذب کر کے نہایت وضاحت اور ترتیب کے ساتھ تصوف کا فلسفہ اور اصطلاحات وضع کیں، مثلاً سفر، سالک، وصل، مکان، شطح، ذہاب، ادب، تجلی، تخلی، علت، غیرت، حیرت، فتوح، وسم، رسم، زوائد، ارادہ، ہمت، غربت، مکر اصطلام، رغبت اور وجد وغیرہ۔

لہٰذا وہ ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر گیا، بعد میں ان کے ہم عصر عبد القادر جیلانیؒ نے عملی اعتبار سے اس تحریک میں نئی جان ڈالی کہ اس فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ پھر محی الدین ابن عربی نے اس تحریک کو وحدت الوجود کے فلسفہ سے روشناس کرایا جو تصوف کی روح بن گیا۔ ابن عربی کے اس باطل نظریہ کی وجہ سے اسلام میں تصوف کے راستے سے الحاد و زندقہ کے دروازے کھل گئے، جس کا احساس صوفیا کو بھی تھا یہی وجہ ہے کہ مشائخ صوفیا اپنے مریدوں کو اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کی سخت ممانعت کرتے، لہٰذا ابن عربی کی کتابوں پر سخت پابندیاں عائد کر دی گئیں اور دوسری طرف فرید الدین عطار نے وحدت الوجود کا مشرکانہ نظریہ شعر و شاعری کے ذریعہ عوام الناس تک پہنچایا تاکہ اسے قبول عام حاصل ہو جائے۔

تصوف کے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات:

سوال ا۔ رسول کریم ﷺ یا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں تصوف کا کوئی وجود یا تذکرہ نہ تھا۔ اگر اسلام میں تصوف کی کوئی حقیقت ہوتی تو اس کا تذکرہ لازما اس مبارک دور میں ملتا، لہٰذا تصوف کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں؟

جواب۔ رسول کریم ﷺ یا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں لفظ تصوف رائج نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا کہ اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اپنے جہل کا ثبوت اور اسلام سے ناانصافی ہے۔ کیا وہ علوم جو اس وقت اسلامی علوم کے نام پر رائج ہیں اور تمام مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جاتے ہیں مثلا علم الصرف، علم الںحو، علم اصول الفقہ، علم اصول الحدیث، علم اصول التفسیر، کیا ان علوم کا وجود رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا؟ کیا صحابہ کرام نے ان اصولوں پر کبھی غور و فکر کیا؟ کیا یہ اصطلاحیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں رائج تھیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقینا ہے تو پھر علم تصوف پر اعتراض کیوں؟ تصوف جس حقیقت کا نام ہے مثلا تزکیۂ نفس وغیرہ اس کے متعلق تو قرآن کریم یا احادیث مبارکہ میں ایک جگہ پر نہیں بلکہ متعدد مقامات پر ذکر موجود ہے۔ اور جس طرح رسول کریم ﷺ کے زمانۂ اطہر میں قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لئے کسی دوسرے فن کو پڑھنے کی ضرورت نہ تھی، اسی طرح تزکیۂ نفس حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے ورد وظیفے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف نبی کریم ﷺ کی نظر انور انسان کو کامل سے کامل ترین بنانے کے لئے کافی تھی اور چونکہ اس وقت باقی تمام فنون کو پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے کا بنیادی مقصد قرآن و حدیث کا سمجھنا ہے، اسی طرح تصوف کی تمام باتوں کا بنیادی مقصد تزکیۂ نفس کا حصول ہے اور قرآن کریم نے انسان کی فلاح کی بنیاد تزکیۂ نفس پر رکھی ہے:

{قد افلح من تزکّیٰ[25]}

"بیشک مراد کو پہنچا وہ جو ستھرا ہوا۔"

{قد افلح من زکّٰها و قد خاب من دسها}[26].

بیشک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے (گناہوں میں) چھپایا۔"

فائدہ: یہ بات ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہر لحاظ سے کامل و اکمل، تمام اوصاف جمیلہ کا مجموعہ، تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کا منبع اور مصدر تھی۔ آپ ﷺ بیک وقت معلم بھی تھے اور مجاہد بھی، فقیر بھی تھے تو غنی بھی۔ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی بھی آدمی آپ کی مثل باکمال نہیں ہو سکتا، اور اللہ پاک آپ ﷺ کی تعلیمات کو تا قیامت زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے آپ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے مختلف اوقات میں مختلف شخصیات پیدا کیں۔ اگر قرات اور تجوید کے فن کو زندہ رکھنے کے لئے قراء سبعہ کو پیدا کیا تو احادیث کو محفوظ رکھنے کے لئے ائمہ حدیث یعنی امام بخاری علیہ الرحمۃ اور امام مسلم علیہ الرحمۃ جیسے اماموں کو پیدا کیا۔ فقہ کے فن کو اجاگر کرنے کے لئے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ اور امام شافعی وغیرہما جیسے اماموں کو پیدا کیا۔ لوگوں کے تزکیۂ نفس کے لئے شیخ عبد القادر جیلانی اور امام ربانی مجدد الف ثانی وغیرہما جیسے امام پیدا کئے۔ ان تمام محدثین کرام، ائمہ عظام اور شیخ کرام کا مقصد رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے کسی نہ کسی پہلو کی خدمت کرنا ہے۔

سوال ۲: تصوف میں ہر عمل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ا۔ ظاہری، ۲۔ باطنی۔ علم کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں، ا۔ ظاہری ۲۔ باطنی۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں جو کچھ تھا ظاہر ہی تھا؟

جواب: ظاہر اور باطن اہل تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ پہلے اس کا مفہوم سمجھ لینا چاہئے۔ علم ظاہر سے مراد ان باتوں کا علم یا ان اعمال کا علم ہے جن کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء سے ہے اور علم باطن سے مراد ان احکامات کا علم ہے جن کا تعلق باطنی اعضاء سے ہے، اور دونوں انواع کے احکامات قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں کثرت سے ہیں۔ مثلاً رسول اکرم ﷺ نے ریا، بغض اور حسد رکھنے سے سختی سے منع فرمایا ہے، جبکہ ان باتوں کا تعلق صرف اور صرف انسان کے دل سے ہے۔ خود اللہ پاک نے اپنے کلام مقدس میں فرمایا:

{یوم لا ینفع مال و لا بنون۔ الا من اتی اللہ بقلب سلیم}[27]

جس دن یہ مال کام نہیں آئے گا مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہو اسلامت دل لیکر۔"

{قد افلح من تزکیٰ۔ و ذکر اسم ربہ فصلّی}[28]

"بیشک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لیکر نماز پڑھی۔"

تو ان باتوں کا تعلق صرف اور صرف باطن سے ہے۔ اہل تصوف کے پاس ان اعمال کا علم جن کے ذریعے قلب سلیم اور تزکیۂ نفس حاصل ہو علم باطن کہا جاتا ہے۔ بعض اعمال ایسے ہیں جو اپنے اندر دو پہلو رکھتے ہیں، ایک کا تعلق ظاہر سے اور دوسرے کا تعلق باطن سے ہوتا ہے۔ مثلاً نماز کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز پڑھتے وقت اپنا منہ کعبۃ اللہ کی طرف کریں، کپڑے پاک رکھیں وغیرہ، ان احکامات کا تعلق صرف ظاہری اعضاء کے ساتھ ہے اور نماز کے متعلق ہی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں ریا نہ ہو اور فرمایا "صل کانک تراہ" خدا کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم خدا کو سامنے دیکھ رہے ہو۔ ان احکام کا تعلق باطن سے ہے۔ اب صوفیاء کرام کا خیال یہ ہے کہ انسان کے باطن کی اتنی ترقی ہو کہ وہ "صل کانک تراہ" کے مقام کو حاصل کر سکے۔ اب ہر ذی شعور خود فیصلہ کرے کہ علم باطن بھی شرعی علم ہے کہ نہیں۔

سوال ۳: صوفیاء کرام کے پاس شریعت کے علاوہ کچھ دوسرے تصورات بھی ہیں، مثلاً طریقت، حقیقت، معرفت وغیرہ، جبکہ ایک مسلمان کے لئے صرف شریعت کی اطاعت ہی لازمی ہے اور شریعت ہی سب کچھ ہے؟

جواب: سب سے پہلے ان اصطلاحات کا مختصر طور پر مطلب سمجھ لینا چاہیے۔ حقیقت: حقیقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے (حقیقتِ شریعت)۔ طریقت: یعنی شریعت کی حقیقت معلوم کرنے اور حاصل کرنے کا طریقہ۔ مثلا مذکورہ بالا مثال میں یہ عرض کیا گیا کہ نماز کے لئے مختلف قسم کے احکام وارد ہیں، بعض کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہے اور بعض کا تعلق باطن سے ہے۔ اب کامل نماز وہ ہے جس میں ان تمام حقوق کی رعایت کی جائے اور جو نماز کا مقصد ہے اسے حاصل کیا جائے۔ ایک شخص نماز کے ظاہری احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کے کپڑے پاک ہیں جسم بھی پاک ہے، قبلہ کی طرف رخ بھی ہے وغیرہ۔ اب ظاہری طور پر تو ہم اس کو نمازی ہی کہیں گے، لیکن اگر اس کے دل میں ریا ہے یا اس کا دل نماز میں حاضر نہیں ہے تو حقیقت میں یہ شخص نمازی نہیں یا کم از کم اس کی نماز کامل نہیں ہے۔ اب اس نماز کو کامل بنانے کا حکم بھی شریعت میں موجود ہے۔ بزرگانِ دین نے ایسے طریقے وضع کیے ہیں جن کو اختیار کرنے سے دل میں خشوع، خضوع اور نیت کا اخلاص حاصل ہوتا ہے اور اس نماز کو حقیقی نماز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت کے حاصل کرنے کو "حقیقت" اور اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے جو طریقہ وضع کیا گیا ہے اس کو "طریقت" کہتے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی ذی علم یا ذی شعور یہ کہہ سکتا ہے کہ حقیقت اور طریقت اسلام یا شریعت کے مخالف ہیں؟ جبکہ ان کے حاصل کرنے کا حکم خود نصوص قطعیہ (قرآن و حدیث) میں موجود ہے۔ اس بات کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ شریعت کے تین اجزاء ہیں: ۱۔ علم ۲۔ عمل ۳۔ اخلاص۔ عمل کے بغیر علم بیکار ہے۔ اسی طرح اخلاص کے بغیر عمل بیکار ہے۔ علم و عمل کا مقصد اخلاص کا حصول ہے۔ طریقت اور حقیقت شریعت کے خدام ہیں۔ طریقت اور شریعت کا مقصد شریعت کی تکمیل ہے۔ فائدہ: البتہ یہ بات لازم ہے کہ شریعت کی حقیقت حاصل کرنے کے لئے جو بھی طریقہ وضع کیا جائے وہ یا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہو یا کم از کم قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو۔ خلاف پیغمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید معرفت: معرفت سے مراد اللہ کی معرفت ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ پر اس کا حکم ہے۔ یا نفس کی معرفت ہے جس کے متعلق مشہور ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔" حقیقت، طریقت اور معرفت کے مفہوم سمجھنے کے بعد ہر ایک خود بخود سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب عین شریعت ہے۔[29]

سوال ۴: لفظ صوفی ایک یونانی لفظ سوفوس کی نقل ہے اور یہ نظریہ یونان سے درآمد شدہ ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں؟

جواب: صوفی کے لفظ کی تحقیق میں یہ بات تفصیل سے عرض کی گئی ہے کہ صوفی کس سے مشتق ہے۔ اس لفظ کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ مزید برآں یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی تحقیق کے مطابق خود یونان میں استعمال ہونے والی آزمی زبان میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس میں اور لفظ صوفی میں کوئی قدر مشترک ہو۔

سوال ۵: عام طور پر اپنے آپ کو صوفی بتانے والوں کے کردار اور بعض باتوں کی طرف نگاہ کرنے سے سامنے آتا ہے کہ ان باتوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، تو پھر ایسے لوگوں کے طریقے کو کس طرح صحیح جانا جائے؟

جواب: کسی شخص کی ذاتی بری حرکتوں کی وجہ سے کسی نظریہ کو غلط کہنا جہل مرکب کے مترادف ہے۔ آج کل عموماً مسلمانوں کے کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً چوری، ڈاکہ زنی، قتل، خونریزی وغیرہ۔ تو کیا بعض مسلمانوں کے غلط اعمال کی وجہ سے اسلام کو ہی برا بھلا کہا جائے گا؟ معاذ اللہ بلکہ ان مسلمانوں کو سمجھایا جائے گا کہ آپ کے یہ اعمال اسلام کے مخالف ہیں، ان سے باز آجاؤ۔ کیا کوئی عالم برا کام کرے تو علم کو بھی خراب کہیں گے؟ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ بے عمل اور جاہل صوفیوں کو تصوف کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے تاکہ سارے تصوف کو برا نہ کہا جائے۔[30]

سوال۶: حدیث مبارکہ میں ہے کہ "لا رھبانیۃ فی الاسلام" اور صوفی ازم بھی رہبانیت کی ہی تصویر ہے۔ لہٰذا اس کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں؟

جواب: یہ کہنا کہ تصوف رہبانیت کی تصویر ہے عین جہالت ہے۔ رہبانیت میں تو حقوق العباد کا مکمل خاتمہ ہے، جبکہ تصوف حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی پوری طرح ادا کرنے کا درس دیتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام سے پہلے کئی ایسی باتیں تھیں جن کی بنیاد تو کسی پسندیدہ حقیقت پر تھی لیکن بعد میں لوگوں نے اپنی طرف سے ان میں افراط و تفریط کی۔ رسول اکرم ﷺ نے دنیا کو ان باتوں کا اصل صحیح طریقہ افراط و تفریط سے چھانٹ کر بتایا۔ مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ یہ عبادات اسلام سے پہلے بھی موجود تھیں، لیکن ان کا صحیح تصور دنیا سے غائب ہو چکا تھا۔ بعد میں نبی کریم ﷺ نے اس کی صحیح تصویر پیش کی۔ اسی طرح رہبانیت کے سلسلہ میں (سورۃ حدید پارہ ۲۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{و جعلنا فی قلوب الذین اتّبعوه رافة و رحمة و رهبانية ن ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغآء و رضوان الله فما رعوها حق رعايتها}[31]

"اور اس کے پیروؤں کے دلوں میں نرمی اور رحمت رکھی ہے اور راہب بننا، تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی۔ ہاں انہوں نے یہ بدعت اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے پیدا کی پھر اسے نہ نبھایا۔"

اس آیت مبارکہ سے صاف معلوم ہوا کہ رہبانیت کے اصل وجود کو تبدیل کیا گیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے رہبانیت سے منع فرمایا تو وہ اس وقت کی موجودہ رہبانیت تھی۔ اس کی جگہ پر رسول اکرم ﷺ نے قرآن کی زبان سے تزکیہ کا صحیح تصور اور اس کا صحیح طریقہ پیش کیا۔ تصوف کا بنیادی مقصد صرف اور صرف تزکیۂ نفس کا حصول ہے۔ واللہ اعلم بالصوابفائدہ: اگر کوئی شخص رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے سے تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کی کوشش کرے گا تو اس کا قلب صاف ہونے کے بجائے مزید گندہ ہو گا۔

سوال۷: موجودہ دور مادی ترقی کا دور ہے، اس دور میں تصوف کے کونسے فوائد ہیں؟

جواب: جو شخص اس بات تسلیم کرتا ہے کہ اسلام ہر دور کی ضرورت ہے تو اس کو یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ تصوف بھی ہر دور کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تصوف اسلام کے مختلف اجزاء میں سے ایک اہم جزء ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں تلاوت آیات کلام الٰہی، تعلیم کتاب الٰہی، تعلیم حکمۃ اور تزکیۂ نفس کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ جس طرح تعلیم کتاب کے بغیر اسلام نامکمل ہے، اسی طرح تزکیۂ نفس کے بغیر بھی اسلام نامکمل ہے اور تصوف کی بنیادی مقصد تزکیۂ نفس کا حصول ہے جو کہ رضاء الٰہی، قرب الٰہی اور دینی و دنیوی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ معلوم ہوا کہ تصوف کے بغیر کوئی انسان کامل مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کوئی کامل مسلمان نہیں بنتا تب تک وہ کامل انسان بھی نہیں ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو خامیاں موجود ہیں، مثلاً دنیوی ترقی میں ہم پیچھے ہیں، ہر جگہ پر دنگا فساد برپا ہے، دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا تصوف کا پہلو یا تو بالکل ناپید ہے یا کم از کم نامکمل ہے۔ اگر یہ پہلو ہمارے اندر مکمل ہو جائے تو نہ صرف دینی بلکہ دنیوی طور پر بھی ہم کامیابی سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ دنیوی طور پر ترقی نہ کرنے کی وجوہات پر غور کیا

جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارا نظام حکومت صحیح نہیں ہے۔ نظام حکومت کیوں صحیح نہیں ہے؟ اس لئے کہ ہمارے اندر اتحاد نہیں ہے۔ اتحاد کیوں نہیں ہے؟ اس لئے کہ ہر ایک فرد میں لالچ، حرص، تکبر اور بغض موجود ہے، کسی میں بھی تواضع موجود نہیں۔ تصوف پر عمل کرنے سے انسان میں تواضع پیدا ہوتا ہے، حرص، لالچ اور بغض جیسے امراض ختم ہو جاتے ہیں۔ جب یہ امراض ختم ہوں گے تو ہر ایک دوسرے کے ماتحت قومی مفاد کے لئے کام کرنا شروع کر دے گا۔ ہمارے اندر اجتماعیت، اتحاد، نظم وضبط پیدا ہوگا اور ان صفات کے ذریعہ ہی ہم نظام حکومت کو بہتر بنا سکتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مادی ترقی کر سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا صفات عام مسلمانوں میں تو کجا بعض علماء میں بھی افسوسناک حد تک نایاب ہیں۔ لہٰذا علماء کے لئے زیادہ ضروری ہے کہ باطن کی اصلاح کی طرف توجہ دیں، تاکہ ان کا ہر کام اللہ کی رضا کے لئے ہو جائے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اگر علماء میں صحیح معنوں میں تواضع آجائے جو کہ علم کا خاصہ ہے تو مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش ہوگی، ایک دوسرے کے پاس جانا گراں نہیں گزرے گا۔ امتِ مسلمہ کے لئے ایک متفقہ لائحہ عمل تیار ہوگا۔ تو آج بھی مسلم قوم کا بخت بیدار ہو سکتا ہے اور نہ صرف دینی بلکہ دنیوی اور مادی ترقی بھی زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

خلاصۂ کلام: تصوف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، اس کی حقیقت، اغراض ومقاصد سے لیکر ان پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور ہم کیا سمجھ رہے ہیں۔ بہت ساری غلط فہمیوں کا شکار ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ان باتوں کو سمجھنا اور ان کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے تو نہ صرف یہ کہ ایک دلی سکون اور اطمینان مل جاتا ہے بلکہ متعلقہ چیز سے استفادہ اسی وقت ممکن ہو جاتا ہے جب وہ بالکل واضح اور نکھر کر سامنے آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

حواشی وحوالہ جات

[1] لسان العرب، مختار الصحاح، مادہ: ص وف

[2] فتاوی ابن تیمیہ، ۱۱/۶، مجلہ البحوث الاِسلامیۃ، شمارہ ۴۰

[3] قرآن اور تصوف از میر ولی الدین، ص۸

[4] ایضاً: ص۹

[5] مجموع الفتاوی: ۱۱/۶

[6] طبقات الحنابلۃ، ۱/۱۲۸، حلیۃ الأولیائ: ۱۰/۲۷۸

[7] القصص: ۷۷

[8] البقرۃ: ۲۰۱

[9] مسند أحمد: ۵/۴۲

[10] التصوف للشہرانی، ص۱۷۱

[11] علم تصوف از عباد اللہ اختر، ص۲۰

[12] ایضاً، ص۲۱

[13] علم تصوف، ص۲۱

[14] تاریخ تصوف اسلام از رئیس احمد جعفری، ص۳۷

[15] التعرف لمذہب اہل التصوف:۱/ ۲۲،۲۱

[16] مجموع الفتاوی:۱۱/ ۲۹،۶

[17] اللمع،لابی نصر سراج، ص۴۲

[18] السیر:۸/ ۴۴۹

[19] قرآن اور تصوف، ص۱۰،۹

[20] تلبیس ابلیس، ص:۱۹۹

[21] مجموع الفتاوی،۱۱/ ۵۵۵

[22] الصوفیۃ معتقدا ومسلکا، ص۱۲۶،۱۲۵

[23] الصف:۹

[24] تلبیس ابلیس، ص:۲۳۲

[25] سورۃ الاعلیٰ، آیت:۵

[26] شمس، آیت:۶

[27] الشعراء، آیت:۲۰

[28] الاعلیٰ: ۴،۵

[29] تلبیس ابلیس، ص:۲۳۲

[30] تلبیس ابلیس، ص:۲۳۲

[31] سورۃ الحدید، آیت:۳۰